تار کا پتہ ـ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ـ رجسٹرڈ ایل نمبر ۴۳۵

الفضل قادیان بٹالہ

THE ALFAZL QADIAN

قیمت فی پرچہ ۲؍

نمبر ۹۷ | مورخہ ۱۳ جون سنہ ۱۹۲۴ء | یوم جمعہ | مطابق ۸ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۲ھ | جلد ۱۱

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں ۸ جون کو حضور نے ایک مقامی معاملہ کے متعلق احباب قادیان سے مشورہ طلب فرمایا۔

۸۔ ۹ جون کو قادیان میں اکالیوں کا جلسہ تھا جس میں ان کے لیکچراروں نے جماعت احمدیہ پر بھی چوٹیں کیں۔ لیکن گفتگو کی تحریر بھیجنے پر کوئی جواب نہ دیا۔

جن اصحاب نے چندہ خاص کے متعلق وعدے کئے ہوتے ہیں۔ ان سے وصولی کی کوشش ہو رہی ہے۔ بیرونی احباب کو بھی چاہیئے کہ بہت جلد اپنے اپنے وعدے ایفا کریں ؃

الفضل بڑی تقطیع پر

کچھ عرصہ سے کارکنان الفضل ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ کہ الفضل میں کچھ نہ کچھ خوشگوار تبدیلی ضرور ہونی چاہیئے۔ ایک تجویز تو یہ تھی۔ کہ الفضل آٹھ صفحہ پر ہفتہ میں تین بار کر دیا جائے۔ لیکن اس میں یہ نقص تھا کہ ۸ صفحہ کی اشاعت میں خطبہ جمعہ نہ آ سکتا تھا۔ اور دیگر مضامین بھی نامکمل رہتے۔ دوم الفضل کی خریداری زیادہ تر دیہات میں ہے۔ وہاں روزانہ ڈاک اکثر تقسیم نہیں ہوتی۔ اسلئے الفضل کا تین بار ہونا عملاً کوئی فائدہ رساں نہیں سمجھا گیا۔ اخراجات کی زیادتی محض ٹکٹوں میں صرف ہو جاتی۔ اور ناظرین کرام کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ دوسری تجویز یہ تھی۔ کہ الفضل کا حجم بجائے ۱۲ صفحے کے ۱۶ صفحے کر دیا جائے کہ بعض ضروری مضامین عرصہ تک نہ رکے رہیں۔ مگر اس میں پریس کے لئے دقت تھی۔ موجودہ مشین پرانی ہے۔ اور انجن نہیں۔ آدمی چلاتے ہیں۔ تیسری تجویز آخر یہ قرار پائی کہ سائز بجائے ۱۸×۲۲ کے ۲۰×۲۶ کر دیا جائے اسطرح مضمون ڈیوڑھا نہیں۔ سوایا سے زیادہ تو آ سکیگا اس تجویز پر جنوری سنہ ۱۹۲۴ء سے عمل ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک طرف ایڈیٹر صاحب ٹیریٹوریل میں جانیوالے تھے۔ دوسری طرف بہت سے احباب کے خطوط پہنچے کہ جلد کا مجلد کرانا دشوار ہو گا۔ تیسری طرف موجودہ مشین پر ۲۰×۲۶ اخبار کا چھاپنا بہت مشکل تھا کیونکہ مشین قابل مرمت ہے۔ اور یہاں وقت پر مستری بھی نہیں ملتا۔ اس لئے مجلس شوریٰ نظارت میں درخواست دی گئی۔ کہ نئی مشین کا انتظام کیا جائے۔ گو ابھی تک نئی مشین کا انتظام نہیں ہو سکا۔ لیکن نئی جلد شروع ہو جانے کی وجہ سے موقعہ یہی ہے کہ سائز بدل دیا جائے اسلئے خدا تعالیٰ کے فضل و رحم پر توکل کرتے ہوئے

حجم جولائی سے سائز بدل دیا جائیگا (انشاء اللہ)

لیکن اس کے ساتھ احباب کرام پر یہ بھی مخفی نہ رہے کہ گو عملہ بدستور خدمت کے لئے حاضر ہے۔ تاہم چھپوائی کاغذ۔ کتابت کے اخراجات کا بڑھنا ناگزیر ہے اور اس طرح خرچ طبع ڈیوڑھا ہو جائیگا۔ باوجود اسکے فی الحال یہی مناسب سمجھا

الفضل کا چندہ سالانہ سات روپے ہی رہے

اور موجودہ خریداران و ناظرین الفضل سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایک ہزار خریدار مزید مہیا کر دینگے۔ اس صورت میں کام دلجمعی سے ہو سکیگا۔ ورنہ مجبوراً چندہ سالانہ الفضل میں اضافہ کرنا پڑیگا۔ اگر احباب کرام ایک جوش کے ساتھ اٹھیں۔ اور ہر خریدار ذمہ لے کہ وہ کم از کم ایک خریدار الفضل کو تین ماہ کے اندر اندر پورے سال کے لئے ضرور مہیا کر دیگا۔ تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ صرف ہمت مستقل اور عزم مومنانہ کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق بخشے۔ تاہم الفضل کو اس سے اگلی جلد میں ۲۲ × ۲۹ تقطیع پر جیسا کہ ہمارا ارادہ ہے۔ چھپتا دیکھ سکیں۔ اور پھر قادیان تک تار لگ جانے پر ہفتہ میں تین بار بلکہ روزانہ دیکھیں یہ بہت معمولی بات ہے۔ صرف الفضل کو اپنا آرگن (جیسا کہ وہ ہے) سمجھنے کی دیر ہے۔ میرے دوستو! میرے بھائیو! جتنا آپ کا الفضل زیادہ چھپیگا۔ اتنا ہی آپ نشر و اشاعت علوم حقہ و تبلیغ سلسلہ احمدیہ کر سکیں گے۔

ہم انشاء اللہ بہتر سے بہتر میٹریل اور جلد سے جلد حالات سلسلہ و تقاریر امام ہم پہنچانے میں ساعی ہونگے۔ اخبار وقت پر پہنچائینگے۔ آپ خریدار مہیا فرمانے کا ارادہ کریں۔ خدا تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ اور آپ کے مساعی جمیلہ میں برکت دے۔

خاکسار: مینیجر الفضل قادیان دارالامان

اخبار احمدیہ

چندہ خاص اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے۔ اس وقت چندہ خاص کی آمد مکمل ہونے کے لئے ۳۱ر مئی تک کا حساب کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ ۲۴۱ جماعتوں نے اپنے وعدوں سے مطلع کیا ہے۔ اور ان کے علاوہ ۸۷ جماعتیں ایسی ہیں جنہوں نے چندہ خاص بھیجا تو ہے۔ لیکن وعدوں کی فہرست ارسال نہیں کی۔ جس سے معلوم ہو سکے کہ کس قدر بقایا ان کے ذمہ ہے۔ اور جن جماعتوں نے وعدہ کی فہرست یا چندہ بھیجا ہے۔ ان کی تعداد صرف ۲۱۱ ہے۔ اور باقی ۱۶۴ جماعتوں سے کوئی جواب نہیں آیا۔ جن جماعتوں نے وعدے بھیجے ہیں۔ انمیں ۲۵ ایسی جماعتیں ہیں۔ جنہوں نے چندہ کچھ بھی ارسال نہیں کیا۔ ان جماعتوں میں ۲۱ زمیندار ہیں۔ اور چار شہری جماعتیں۔

وعدہ بھیجنے والی جماعتوں میں سے صرف سات ایسی ہیں۔ جنہوں نے وعدہ کو وقت کے اندر پورا کیا ہے۔ کل وعدہ کی رقم جو ۲۴۱ جماعتوں کے وعدہ کی فہرستوں کی میزان ہے۔ وہ ۳۵ ہزار ہے۔ مگر اس ۳۵ ہزار میں سے وصولی صرف ۱۶ ہزار ہوئی ہے۔ اور ۱۹ ہزار باقی ہے۔ بغیر وعدہ آئے جو رقم اور وصول ہوئی ہے وہ ساڑھے چار ہزار ہے۔ وعدوں کی ۱۹ ہزار کی رقم کی ادائگی میں تاخیر ہو گئی ہے۔ اسلئے صرف ایک ماہ یعنی ۳۰ر جون تک اس چندہ کی مہلت اور زاید کی جاتی ہے۔ ۳۰ر جون تک یہ رقم سب کی سب ادا ہونی چاہیئے۔ اور جن جماعتوں نے وعدے ارسال نہیں کئے۔ وہ اپنے وعدے بھی ارسال فرما کر ممنون فرماویں۔ والسلام

عبدالمغنی۔ ناظر بیت المال۔ قادیان

ائمہ مساجد جہاں جہاں احمدی جماعتوں میں ائمہ مساجد کی ضرورت ہو۔ وہاں کے امیر یا سکرٹری صاحب نظارت تعلیم و تربیت کو اطلاع دیں۔ کہ کن شروط پر وہ انہیں اپنے ہاں رکھنا چاہتے ہیں۔ اور کم از کم مدت کو بھی معین کر دیں۔ جس میں وہ ان سے پورے طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ائمہ مساجد علاوہ نمازیں پڑھانے کے سلسلہ تعلیم و تدریس بھی قائم رکھیں گے۔ اور سکرٹری تبلیغ کے کاموں میں بھی مدد دے سکیں گے۔ درخواست میں اس بات کی تصریح ہونی چاہیئے۔ کہ وہ امام صاحب کی کھانے پینے و کپڑے وغیرہ لابدی ضروریات کو مُہیا کرنے میں کیا مدد دینگے۔

ناظر تعلیم و تربیت قادیان۔

موصیوں کے متعلق اعلان جملہ احمدی احباب سے اور خصوصاً سکرٹری صاحبان جماعتہائے احمدیہ سے التماس ہے۔ کہ جب کوئی موصی آپ کے علاقہ میں فوت ہو جائے۔ انکی فوراً اطلاع دفتر مقبرہ بہشتی قادیان میں کرنی چاہیئے۔ اور ان کی عمر تاریخ وفات لکھ دینی چاہیئے۔ (۲) اس بات کی بھی فوراً تحقیقات کر لینی چاہیئے۔ کہ موصی نے بوقت وفات کیا کیا اور کس قیمت کی جائداد چھوڑی ہے (۳) موجودہ حالت میں وارث کون ہے؟ افسر مقبرہ بہشتی قادیان۔

مُفسدین کی گرفتاری رسالہ مذکور جماعت احمدیہ لکھنؤ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ جن احباب کرام کو ضرورت ہو۔ بذریعہ کارڈ مطلع فرماویں۔ انکی خدمت میں مفت بھیجا جا دیگا۔

اِسکے علاوہ مولوی خیر الدین احمد صاحب سکرٹری جماعت احمدیہ لکھنؤ ایک اور رسالہ تحریر کر رہے ہیں۔ جسمیں انشاء اللہ باب۔ بہاء اللہ اور قرۃ العین کی تثلیث کا راز طشت از بام کیا جاویگا۔ اور علمی اور مہر محمد اور اللہ دتا کا مزید کچا چٹھا انشاء اللہ ہدیہ ناظرین کیا جا دیگا۔

خاکسار سید ارتضیٰ علی مینیجر سٹوڈنٹس کمرشل ہاؤس امین آباد لکھنؤ

تلاش عزیز میرا لڑکا عبد اللہ کچھ دنوں سے مفقود ہے۔ اس کی عمر ۲۵ سال ڈاڑھی صرف ٹھوڑی پر۔ کم گو۔ فراخ چشم اور بیمار ہے۔ براستہ ڈیرہ نانک سیالکوٹ کو جا رہا تھا۔ جس بھائی کو اس کے متعلق خبر ہو۔ اطلاع دیکر مشکور فرماوے۔

محمد اسمٰعیل سیالکوٹی مدرس ٹی۔ آئی۔ ہائی سکول قادیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
قادیان دار الامان ۔ ۱۳ جون ۱۹۲۴ء

مسٹر گاندھی کو خلافت کی پیشکش

خواجہ حسن نظامی صاحب کی دعوتِ اسلام

مسلمانوں کی عبرتناک مذہبی حالت

اسلام نے ہر ایک مُسلم کا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا امیر ہو یا غریب ۔ عالم ہو یا جاہل فرض قرار دیا ہے کہ وہ نہ صرف خود حقیقت اسلام سے واقف اور اس پر عامل ہو ۔ بلکہ دیگر لوگوں کو بھی اس نعمت میں شریک کرے ۔ اور جہاں تک اس کی ہمت اور طاقت میں ہو صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے اور وادی ظلمت میں سرگرداں لوگوں کو اسلام کے روشن اور بلند مینار کی طرف راہ نمائی کرنے میں لگا رہے ۔

اس فرض کو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے سمجھا اور ایسا سمجھا کہ اسلام کو اس وقت کی معلوم دُنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پہنچا دیا ۔ زبردست سے زبردست بادشاہتیں ان کے مقابلہ کے لئے اُٹھیں بڑی بڑی حکومتیں کھڑی ہوئیں ۔ لشکر جرار ان کے راستہ میں روک بنے ۔ لیکن وہ باوجود بے سروسامانی اور قلت تعداد کے کسی کے روکے نہ رُکے ۔ جو کچھ ان کے سامنے آیا ۔ یا تو ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اُڑ گیا یا ان کے قدموں کے نیچے مسلا گیا ۔ اور تھوڑے سے عرصہ میں اسلامی نور چار دانگ عالم میں ضَو فشاں ہو گیا ۔

اگر بعد میں آنے والے مُسلمان بھی اس فرض کی ادائگی میں کوشاں رہتے ۔ تو آج دنیا میں ان کی وہ عبرتناک حالت نہ ہوتی ۔ جو نظر آ رہی ہے ۔ اور وہ ہر جگہ ذلیل و رُسوا ہونے کی بجائے عروج و اقبال کے بلند ترین مینار پر کھڑے ہوتے ۔ لیکن انہوں نے اپنی بد قسمتی اور سیاہ بختی سے نہ صرف دوسروں کو دعوتِ اسلام دینا چھوڑ دیا ۔ بلکہ خود بھی اسلام سے رُوگرداں ہو گئے ۔ جس کا نتیجہ آج ان کی تباہی و بربادی کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے ۔

جب مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ اسلام کی حقانیت سے بے بہرہ ہو گئے ۔ صداقتِ اسلام سے ناواقف ہو گئے ۔ ثمراتِ اسلام سے محروم ہو گئے ۔ رُوحانیت ان میں نہ رہی ۔ تقویٰ و طہارت ان سے جاتا رہا ۔ تمام دنیا کے طعن و تشنیع کے وہ مورد بن گئے ۔ تو خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو ان کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا ۔ آپ نے دنیا میں آ کر تھوڑی سی مدت میں نہ صرف ایک ایسی جماعت تیار کی ۔ جو دین اسلام کی صداقتوں اور برکات کا زندہ ثبوت ہے ۔ بلکہ ساری دنیا کو نہایت پُرزور طریق سے دعوتِ اسلام بھی دے رہی ہے ۔ اور اس مقصد میں اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود حیرت انگیز کامیابی حاصل کر رہی ہے ۔

ایک طرف جماعت احمدیہ کو اشاعت اسلام کی توفیق ملنا اور اس میں کامیاب ہونا دوسری طرف کروڑوں مُسلمانوں کا اس شرف اور سعادت سے محروم رہنا کوئی ایسی بات نہیں ۔ جو حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا فیصلہ کن اور لاجواب ثبوت نہ ہو ۔ اور سمجھدار طبقہ کو آپ کی طرف مائل نہ کر دے ۔ یہی وجہ ہے کہ جن قلوب میں اسلام کا درد اور پیار ہے ۔ وہ آپ کی طرف جھک رہے ہیں ۔ تا آپ کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر اسلام کی خدمت کر سکیں ۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے ۔ جماعت احمدیہ اشاعت اور حفاظت اسلام کے لئے جو کچھ کر رہی ہے ۔ وہ بذاتِ خود حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا بیّن نشان ہے ۔ لیکن اس کی شان و شوکت اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے ۔ جب یہ نظر آتا ہے ۔ کہ جماعت احمدیہ کے سوا باقی تمام دُنیا کے کروڑوں مُسلمانوں کو یہ توفیق ہی نصیب نہیں ہے ۔ کہ اشاعت اسلام کے لئے کھڑے ہوں اور اگر کوئی کھڑا بھی ہوتا ہے تو بجائے اسلام کو کسی قسم کا فائدہ پہنچانے کے اُلٹا نقصان اور شماتت اعدا کا باعث بنتا ہے ۔ اس کی تازہ اور قریبی مثال میں ہم خواجہ حسن نظامی صاحب کو پیش کرتے ہیں ۔ ملکانوں کے ارتداد کے فتنہ نے جناب خواجہ صاحب کے دل میں تبلیغ اسلام کی خواہش پیدا کی ۔ اور جہاں تک انسانی سعی اور کوشش کا تعلق ہو سکتا ہے ۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ انہوں نے فتنہ ارتداد کے شور و شر سے پرورش یافتہ تمام مبلغوں اور مولویوں سے بڑھ کر جوش اور انتظام کے ساتھ کام شروع کیا ۔ لیکن اسے کیا کیا جائے ۔ کہ اس کے اثرات نہایت افسوسناک اور ندامت خیز پیدا ہوئے ۔

جناب خواجہ صاحب کے رسالہ "داعیٔ اسلام" کی ان تجاویز نے جن میں بازاری اور فاحشہ عورتوں ۔ گداگروں گانے بجانے والوں اور اسی قماش کے دیگر بداخلاق اور بدخصلت لوگوں کو "مبلغ اسلام" قرار دیا گیا ہر ایک باحمیت اور باغیرت مسلمان کو شرم و ندامت کے گڑھے میں گرا دیا ہے ۔ اور دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقع بہم پہنچا دیا ہے ۔ کہ اسلام اپنی حفاظت کے ایسے افراد کا محتاج ہو گیا ہے ۔ جو دنیا کی ہر سوسائٹی میں نہایت ذلیل اور رُسوا قرار دئے جاتے ہیں ۔

جناب خواجہ صاحب کی نیّت اور خواہش خواہ کچھ ہی ہو ۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اُن کی ان تجاویز نے اسلام کے منور اور روشن چہرہ کو مکدر کرنے میں کمی نہیں کی ۔ اور مُسلمانوں کی گردنوں پر شرم و ندامت کا بہت بڑا بوجھ رکھ دیا ہے ۔ اس سے بھی بڑھ کر ان کی اسلام کے لئے شرمناک اور مسلمانوں کے لئے ذلت آفرین روش وہ ہے ۔ جو انہوں نے "مہاتما گاندھی کو دعوت اسلام" دیتے ہوئے اختیار کی ہے ۔ اس عنوان سے ایک ٹریکٹ شائع کرتے ہوئے اس کی غرض

صفحہ اول پر یہ قرار دی ہے۔ کہ "دنیا کی مسلم اقوام" کو "ایک رہنما درکار ہے۔" اس کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے۔ اُسے پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کسی مسلمان کے قلم سے ایسے الفاظ کیونکر نکل سکتے ہیں

جناب خواجہ صاحب لکھتے ہیں :-

(۱) "اگر آپ (مسٹر گاندھی) مسلمان ہو جائیں۔ تو ایشیاء و یورپ افریقہ کی بے شمار اقوام جو مسلمان ہیں۔ آپ کی رہنمائی سے متحد اور زندہ ہو سکتی ہیں۔" صفحہ ۲

(۲) "آپ مسلمان ہو جائیں۔ اور دُنیا کی پراگندہ مسلم اقوام کو اپنے اصول صداقت پر جمع کرلیں۔" صہ

(۳) "اگر آپ مسلمان ہو جائیں۔ تو آپ کا نیک مقصد بہت آسانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پھر آپ کی ذات تمام اسلامی دُنیا کا مرکز بن جائیگی۔" صہ

(۴) "آپ باقاعدہ مسلمان ہو جائیں۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی رہنمائی قبول کریں۔" صہ

ان معروضات کو کافی نہ سمجھتے ہوئے جناب خواجہ صاحب نے ترکوں کی لامذہبی اور بے دینی کو پیش کر کے لکھا ہے۔

(۵) "آج نوجوان ترکوں نے خلافت منسوخ کردی۔ اس کا مسلمانوں کو رنج اور صدمہ ہے۔ مگر نوجوان ترک کیا کریں۔ ان کے سامنے یورپ کی مادہ پرستی کا معیار ہے۔ وہ مذہب سے جُدا نہ ہوتے۔ تو کیا کرتے اگر آپ مذہبی رُوحانیت کا معیار ان کو دیں تو وہ دوڑ کر آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔" صہ

یہاں تک اشاروں اشاروں میں عرض مدعا کیا گیا لیکن آخر میں کھلم کھلا کہدیا گیا کہ :-

"بات تو اصل میں یہ ہے۔ کہ خود قدرت کو منظور ہے۔ کہ آپ (مسٹر گاندھی) علم اسلام کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ خلافت کی جگہ اسی واسطے فطرت کے انقلاب نے خالی کی ہے کہ اس پر آپ کو قائم کیا جائے۔"

کیوں؟ اسلئے کہ :-

"جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا ہے۔ آپ خود نہیں بولتے۔ قدرت بولتی ہے۔ جس دن آپ نے سردار قوم مولانا محمد علی کو لکھا تھا کہ اسلام کا مستقبل ہندوستان کے ہاتھ میں ہے اُسی دن دلوں نے قدرت کی مخفی آواز سُن لی تھی۔ کہ آپ ہی اسلام کے علم بردار ہونیوالے ہیں۔ اور تمام دنیا کی مسلم اقوام آپ ہی کے زیر سایہ اسلام کو زندہ کرینگی۔" صہ

مذکورہ بالا سطور میں مسٹر گاندھی کو جن الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے۔ اور جو کچھ ان سے خواہش کی گئی ہے۔ اُسے پڑھکر مسلمانوں کی عبرتناک مذہبی اور رُوحانی حالت کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ آہ! وہ اسلام جس نے دُنیا میں روحانیت کے دریا بہادئیے وہ اسلام جس نے خون کے پیاسوں کو ماں جائے بھائیوں سے زیادہ متحد بنادیا۔ وہ اسلام جس نے پراگندہ اور منتشر لوگوں کو تسبیح کے دانوں کی طرح ایک سلک میں منسلک کر دیا۔ وہ اسلام جس نے اپنے اثر سے اُونٹ اور بکریاں چرانے والوں کو دُنیا کی مہذب ترین اقوام کا رہنما بنا دیا۔ وہ اسلام جس نے ضلالت میں گری ہوئی دنیا کے سامنے روحانیت کا حقیقی معیار رکھا۔ آج اس کے نام لیواؤں اس کے دعویداروں اور اس کے شیدائی کہلانے والوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی تہی دستی سے مجبور ہو کر شرم و غیرت کو بالائے طاق رکھ کر ایک ہندو۔ ایک مشرک بلکہ ایک کافر سے دست بستہ یہ التجا کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ ہمیں متحد کیجئے۔ ہماری پراگندگی دور کیجئے۔ ہمیں زندہ کیجئے۔ ہمیں ایک مرکز پر جمع کیجئے۔ ہمارے سامنے رُوحانیت کا معیار رکھئے۔ اور پھر یہاں تک ہی نہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ مسند خلافت جو خالی ہو چکی ہے اسے زینت دیجئے۔

یہ خواہش یہ التجا اور یہ تمنا اگرچہ نہایت ہی شرمناک اور ذلت خیز ہے۔ مگر اس ضرورت اور حاجت کے انتہائی احساس کا نتیجہ ہے۔ جو مُسلمانوں کو رُوحانیت کے فقدان کی وجہ سے کسی مصلح رُوحانی کی پیش آرہی ہے۔ لیکن کس قدر افسوس اور رنج کا مقام ہے کہ مسلمان اس مصلح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جسے خدا تعالیٰ نے اسلام میں اسلام ہی کی خاطر پیدا کیا ہے۔ اور غیروں کے آگے ہاتھ پسار رہے ہیں۔ اور ایسے طریق سے پسار رہے ہیں۔ جو نہایت ہی شرمناک اور غیرت کُش ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ وہ صرف خالی ہاتھ بیٹھے ہیں۔ بلکہ عبرتناک طور پر دھتکارے جارہے ہیں اور ان کے اس ذلت آفرین طریق نے اسلام کو بھی بدنام اور حقیر بنا دیا ہے۔ جناب خواجہ صاحب موصوف کے اس ٹریکٹ کے اقتباسات کی بناء پر آریہ اور ہندو اخبارات جو کچھ لکھ رہے ہیں۔ ان کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

اخبار تیج (۲۴ر مئی) لکھتا ہے :-

"ہم بار بار مطالعہ کرنے کے باوجود اس خط میں کوئی بات ایسی نہ پا سکے جس سے اُسے "دعوت اسلام" کہا جاسکے۔ خط ہذا میں اسلام کی خوبیوں کا کہیں ذکر نہیں۔ بخلاف اس کے دنیائے اسلام کی مادہ پرستی اور موجودہ پراگندہ حالت کا فوٹو کھینچا گیا ہے۔ اور جگہ بجگہ ہندو دھرم کی صداقتوں کا اعتراف کر کے مہاتما جی سے دنیا کی پراگندہ مسلم اقوام کو اُصول صداقت پر جمع کرنے کی درخواست کی گئی ہے کہیں مہاتما جی سے ترکوں کو راہ راست پر لانے کی پرارتھنا کی گئی ہے۔ تو کہیں انقلاب خلافت کو مہاتما جی کے لئے دعوت رہنمائی خلافت سے تعبیر کر کے خلیفۃ المسلمین بننے کا لالچ دیا گیا ہے۔ بدیں وجہ خط کا نام بجائے دعوت اسلام رکھنے کے دعوت رہنمائی اسلام رکھنا چاہیئے تھا۔"

پھر لکھا ہے :-

"ہمیں تو خواجہ صاحب کا خط پڑھنے سے یقین ہوتا جاتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کو اس امر کا بخوبی احساس ہو گیا ہے۔ کہ اسلام کی حفاظت کے لئے انہیں ہندو دھرم کی صداقتوں اور مہاتما گاندھی جیسی بلند منزلت ہستی کی جس نے ہندو دھرم کی خوبیوں میں پرورش پائی ہے۔ شرن لینی پڑے گی کیا خواجہ حسن نظامی جیسے مُسلمان کی قلم سے ان الفاظ کا نکلنا کہ "اگر آپ مُسلمان ہو جائیں تو ایشیاء یورپ و افریقہ کی بے شمار اقوام جو مُسلمان ہیں آپ کی رہنمائی سے متحد اور زندہ ہو سکتی ہیں"

نیز" یہ کہ آپ مسلمان ہو جائیں۔ اور دنیا کی پراگندہ مسلم اقوام کو اپنے اصول صداقت پر جمع کر لیں"۔ یہ ظاہر نہیں کرتا کہ اب پراگندہ مسلم اقوام کو راہ راست پر لانے کا واحد ذریعہ خواجہ صاحب کے دل میں مہاتما گاندھی کے ذریعہ ہندو دہرم کی صداقتوں کا پرچار ہے"؟

پھر یہاں تک کہدیا گیا ہے کہ:۔

"ہندو دہرم کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے ایک یہ بات ہی کافی ہے۔ کہ ان کا سب سے مشہور داعی ایک ہندو کو اسلام کی خوبیاں بتلا کر اسلام کی دعوت نہیں دے سکا۔ بلکہ اُسے یہی کہنا پڑا کہ چونکہ آپ کی ہستی اتنی اونچی ہے کہ آپ سارے عالم اسلام کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اس لئے آپ مسلمان بن جائیں"۔

اخبار"تیج" کے مندرجہ بالا اقتباسات بتا رہے ہیں کہ مسٹر گاندھی کو اپنی اُمیدوں اور تمناؤں کا مرجع بنا کر اسلام کو کیسا خطرناک نقصان پہنچایا گیا ہے۔ اور اپنی بے چارگی اور تہیدستی کا علاج مسٹر گاندھی کو قرار دیکر مسلمانوں کے لئے کس قدر شرمندگی اور ندامت کا سامان مہیا کیا گیا لیکن ان سے بڑھ کر ندامت خیز الفاظ وہ ہیں۔ جو اخبار کیسری (۲۴ر مئی) نے استعمال کئے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"مہاتما جی کو حال میں خواجہ حسن نظامی نے قبول اسلام کی دعوت دیتے ہوئے گو اپنے خیال میں قوم اسلام کی بڑی بھاری خدمت کی ہے۔ لیکن حقیقت بین نگاہیں جانتی ہیں۔ کہ ایسا کرنے میں انہوں نے نادانستہ ہندو دہرم کی عظمت وصداقت کا اعتراف کر لیا ہے۔ اور اپنی تحریر سے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ دین اسلام میں ایسا قحط الرجال ہو رہا ہے۔ کہ چالیس کروڑ مسلمانان عالم میں سے ایک بھی مسلمان ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کو حق وصداقت کی تعلیم دیکر زندہ کر سکے"۔

پھر لکھا ہے:۔

"آج دنیا کے اسلام نے رُوحانی واخلاقی د

نہ کی تعلیم کا منبع ہندو دہرم کو سمجھا۔ اس میں کوئی جھجک کی بات نہیں ہے۔ جبکہ کسی شہر میں بیماری اور قوم میں بداخلاقی پھیل رہی ہو۔ اور اس شہر میں کوئی ڈاکٹر اور اس قوم میں اخلاقی و رُوحانی تعلیم نہ ہو۔ تو ضروری ہے۔ کہ کسی دیگر شہر کے ڈاکٹر اور دیگر قوم کے اصول صداقت پر چلنے والے رہبر سے رہنمائی کی درخواست کی جاوے تاکہ شہر کو بیماری سے اور قوم کو گمراہ کن راستے سے نجات ملے"۔

آخر میں لکھا ہے:۔

"اگر خواجہ حسن نظامی کو اسلام کے اندر کچھ بھی راہ صداقت معلوم ہوتی تو کیا چالیس کروڑ مسلمانان عالم میں ایک بھی مسلمان راہ صداقت پر چلنے والا نظر نہ آتا۔ اسی لئے تو خواجہ صاحب نے مسلمانان عالم و ترکوں کے لئے ہندو دہرم کے اُصول صداقت کے اُوپر چلنے والے مہاتما گاندھی کے رہنمائی کی بار بار سفارش کی ہے"۔

اگر مسلمان اپنی رُوحانی راہنمائی کے اس قدر محتاج ہو گئے ہیں۔ کہ مسٹر گاندھی مسلمان ہو کر ان کے راہنما بنیں ان کی خلافت کو سنبھالیں۔ اور ان میں زندگی کی رُوح پیدا کریں۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ تمام دُنیا کے مسلمانوں میں ایک مسلمان بھی ایسا نہیں۔ جو راہ صداقت پر چلنے والا ہو۔ اور کروڑوں مسلمانوں میں سے ایک بھی مسلمان ایسا نہیں ہے۔ جو انہیں حق وصداقت کی تعلیم دے سکے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ نہ صرف جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کے الفاظ سے یہ ثابت ہے۔ بلکہ فی الواقعہ مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ اگر ان میں کوئی انسان ایسا ہوتا۔ جو ان کی رہنمائی کر سکتا جس کے ذریعہ ان کی تنظیم ہو سکتی۔ تو جناب خواجہ صاحب موصوف کو قطعی مسٹر گاندھی کی طرف دست آرزو نہ بڑھانا پڑتا۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ جب مسلمان اس درجہ مجبور اور مقہور ہو چکے ہیں۔ کہ وہ مشرکین کے لیڈر اور رہنما کو اپنی رہنمائی اور خلافت پیش کر رہے ہیں۔ تو کیوں وہ اس رہنما کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ جو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے دُنیا کی راہ نمائی کے لئے مبعوث کیا ہے اب سوائے اس کے مسلمانوں کو نہ کوئی رُوحانی رہنما مل سکتا ہے۔ اور نہ کبھی ملیگا۔ آج تک اس سے بے رُخی کر کے مسلمانوں نے کونسا آرام پایا۔ کہ آئندہ پا سکینگے۔ اب ان کی فلاح اور بہبودی صرف اسی کی پیروی میں ہے۔ اسی کے ذریعہ ان کی پراگندگی دُور ہو سکتی ہے ؎

کاش! مسلمان اپنی حالتِ زار پر غور کریں۔ اور فرستادۂ خدا حضرت مرزا صاحب کو قبول کر کے ذلت و رسوائی۔ تباہی وہلاکت سے محفوظ ہو جائیں۔

حقیقی گئو رکھشا

ہمارے ہندو بھائی گئو کشی کے خلاف اس بناء پر شور مچایا کرتے ہیں کہ گائیں ذبح نہ کرنے کی صورت میں دُودھ کی ندیاں بہنے لگینگی۔ اور اس کیلئے اس قدر بضد ہیں۔ کہ بعض مقامات پر ان بے رحموں نے غریب اور بے کس مسلمانوں کو محض اس لئے قتل کیا۔ اور آگ میں جلا دیا کہ انہوں نے گئو ذبح کرنی چاہی۔ لیکن جہاں تک عقل و فکر کا تقاضا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بیکار اور دودھ دینے کے ناقابل گئو بیلوں کی زیادتی دُودھ کے افراط کا کیونکر باعث ہو سکتی ہے۔ ان کا تو نہ ہونا دودھ دینے والی گایوں کے لئے عمدہ اور بافراط خوراک کا باعث ہو سکتا ہے۔ اور یہی حقیقی گئو رکھشا ہے۔ جیسا کہ انگلستان میں ہو رہا ہے اور اخبار"ملاپ" بالفاظ ذیل اس امر کو شائع کرتا ہے:

"انگلینڈ کی گئوئیں چالیس سیر دودھ روزانہ دیتی ہیں۔ اور ایک ایک گئو سات سات سو روپیہ کو ملتی ہے لیکن ہندوستانی گئوئیں جو کبھی دودھ کے دریا بہایا کرتی تھیں۔ غلام ملک میں رہتے رہتے آہستہ آہستہ بہت کم دودھ دینے لگی ہیں"۔

یہ تو صاف بات ہی کہ اہل انگلستان گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور اس غرض کیلئے گائیں ذبح کی جاتی ہیں باوجود اسکے وہاں کی گایوں کا دُودھ میں ترقی کرنا بتاتا ہے کہ اسکی وجہ گئو رکھشا کے اس مفہوم پر عمل کرنا ہے

ہم جو ہمارے ہندو بھائی قرار دیتے ہیں بلکہ اس کے اس حقیقی مفہوم پر عمل کرنا ہی کہ بیکار اور دودھ نہ دینے والی گائیوں سے صدقہ دینے والی گائیوں کی رکشا کی جائے۔

مسٹر گاندھی اور آریہ سماج

جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کے جس ٹریکٹ کا ذکر ہم نے اپنے افتتاحیہ مضمون میں کیا ہے۔ اسکے بعض فقرات پر آریہ سماجی اخبارات نے اسلئے بڑے فخر اور خوشی کا اظہار کیا۔ کہ ان میں مسٹر گاندھی سے مسلمانوں کی تنظیم اور روحانی رہنمائی اختیار کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ اور یہ اسلام پر ہندو مذہب کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ اسلام کے ماننے والوں کو اپنے میں سے کوئی اس قابل نظر نہ آیا۔ کہ ان کا رہنما بنے۔ اور مسند خلافت پر بیٹھے۔ اور وہ ایک ہندو کو اس مقام پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں:۔

جیسا کہ ہم اپنے مضمون میں مفصل طور پر لکھ چکے ہیں۔ مسٹر گاندھی کے متعلق اس قسم کی آرزو مسلمانوں کے لئے نہایت ذلت انگیز اور شرمناک حرکت ہے۔ اور ان کی روحانی مردنی کی علامت۔ جو حضرت مسیح موعود کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اگر آج مسلمان آپ کو ماننے والے ہوتے۔ تو بجائے اس کے کہ کسی ہندو سے اپنا رہنما بننے کی درخواست کرتے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو مسٹر گاندھی کیا تمام گمراہ اور ضلالت میں گری ہوئی دنیا کا رہنما اور ہادی سمجھتا:۔

خیر مسلمانوں کی حالت جس درجہ ماتم خیز ہے۔ وہ تو ہے ہی۔ اور جب تک وہ صحیح طریق سے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہونگے۔ اس وقت ہم ان کے متعلق اپنے درد دل کا اظہار کرتے ہی رہینگے۔ لیکن خدا کی شان آریوں کو بھی مسٹر گاندھی کی ذات والا صفات پر فخر و مباہات کرنے کا موقع چند دن سے زیادہ نہ ملا۔ اور ایسے حالات پیدا ہو گئے۔ کہ وہی آریہ سماج جو مسٹر گاندھی کی ذات خاص پر پھولی نہ سماتی تھی۔ جو انہیں ہندو مذہب کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرتی تھی۔ وہی ان کے خلاف لمبے چوڑے مضامین شائع کر رہی ہے۔ انکے متعلق ناراضگی کے ریزولیوشن پیش کر رہی ہے۔ اور انہیں ویدک دھرم کا دشمن ویدک کا منکر ویدوں کی تعلیم سے ناواقف وغیرہ وغیرہ کہہ رہی ہے۔ کیوں اسلئے کہ انہوں نے بانی آریہ سماج اور آریہ سماج کے متعلق اپنے ایک طویل مضمون میں چند الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ جو یہ ہیں

"میں سوامی دیانند سرسوتی کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ میرے خیال میں آپ نے ہندو دھرم کی بڑی خدمت کی ہے وہ بلاشبہ بہادر تھے۔ لیکن آپ نے ہندو دھرم کا دائرہ تنگ کر دیا۔ میں نے ستیارتھ پرکاش کا مطالعہ کیا ہے۔ جو آریہ سماج کی بائبل ہے۔ مگر میں نے آپ جیسے بڑے ریفارمر کی کوئی ایسی مایوس کن کتاب نہیں دیکھی۔ جیسا کہ ستیارتھ پرکاش ہے۔ سوامی جی نے صرف صداقت کی حمایت کا دعوےٰ کیا ہے۔ لیکن آپ نے نادانستہ طور پر جین دھرم۔ اسلام۔ عیسائیت اور ہندو دھرم کی بابت غلط بیانی کی ہے۔ جس شخص نے ان مذاہب کا سرسری مطالعہ کیا ہے۔ وہ ان غلطیوں کو آسانی سے معلوم کر سکتا ہے۔ جو اس بڑے ریفارمر نے کی ہیں۔ روئے زمین پر مذاہب نہایت لبرل اور متحمل ہیں۔ آپ نے ان سب سے ایک مذہب کو محدود کرنے کے لئے کوشش کی ہے۔ اگرچہ آپ مورتی کھنڈن کرنے والے تھے۔ مگر آپ نہایت ہوشیاری سے بت پرستی کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ کیونکہ آپ نے ویدوں کے الفاظ کو بت بنا دیا۔ اور جس ایجاد کا بھی سائنس کو علم ہوا۔ آپنے اسے ویدوں میں ثابت کرنے کی کوشش کی۔ میری عاجزانہ رائے میں آریہ سماج کی ترقی ستیارتھ پرکاش کی تعلیم پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اسے اپنے گورو کے اعلیٰ اور شاندار چلن کی بدولت ہو رہی ہے"

(کیسری ۴ جون۔ تیج ۷ جون)

اس کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے۔ کہ

"جہاں کہیں آریہ سماجی ملینگے۔ وہاں زندگی اور سرگرمی بھی ہو گی۔ لیکن تنگ نقطہ خیال کے باعث وہ یا تو دوسرے مذاہب کے لوگوں سے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور یا اس میں ناکام رہکر باہم ایک دوسرے سے دست بگریبان ہوتے ہیں۔ شردھانند جی کو اس میں سے خاصہ حصہ ملا ہے"

اگرچہ مسٹر گاندھی نے کھل کر آریہ سماج اور اس کے بانی کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہیں کی۔ تاہم جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ کہ آریہ سماج جسے اصل ویدک دھرم کہا جاتا ہے۔ اس کی ان کی نظر میں کیا وقعت اور کیا حقیقت ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وہ انسان جسے ویدک دھرم کی تعلیم کا نمونہ قرار دے کر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ آریہ سماج اور اس کے بانی کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔ کیا وہ آریہ سماجی اخبارات جو مسلمانوں کو مسٹر گاندھی کے متعلق غلط رائے اور لغو خیال رکھنے کی وجہ سے یہ دعوت دیتے تھے۔ کہ وہ ویدک دھرم قبول کریں۔ جو مسٹر گاندھی کا مذہب ہے۔ اب وہ خود ویدک دھرم کے ان اصول کو چھوڑ کر جو پنڈت دیانند صاحب نے رائج کئے ہیں۔ مسٹر گاندھی کے خیالات قبول کر لینگے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی پوچھتے ہیں۔ کہ کیا یہی آریوں کا وہ ویدک دھرم ہے۔ جس کا ذکر مسٹر گاندھی نے اپنے مضمون میں فرمایا ہے۔ اور جسے تمام دنیا میں پھیلانے کے خواب آریہ دیکھتے رہے ہیں۔ اگر یہ ایسا ہی معقول اور قابل قبول مذہب ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ آئے دن اس کے بنیادی اصول سے بڑے بڑے ہندو علیحدگی کا اظہار کرتے رہتے۔ اور اپنے لئے نیار استہ قرار دے لیتے ہیں۔ ابھی چند ہی دن ہوئے آریوں کے ایک بہت بڑے لیڈر "سوامی ستیہ دیو جی" نے اعلان کیا تھا۔ کہ

"میں کسی مذہبی کتاب کو الہامی نہیں مانتا" (اتیشیا ۳ مئی)

اب مسٹر گاندھی جو کچھ فرما رہے ہیں۔ وہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ یہ بالکل تازہ مثالیں ہیں۔ کیا جس مذہب کے متعلق ایسے ایسے لوگ بیزاری کا اظہار کریں۔ اور اس کے بنیادی مسائل سے علیحدگی اختیار کریں۔ وہ بھی دنیا میں قابل قبول قرار دیا جا سکتا ہے۔

آریہ صاحبان کو چاہیئے۔ کہ مسٹر گاندھی کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرنے کی بجائے ان نقائص کی اصلاح کریں۔ جن کی طرف انہوں نے صرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور آریہ صاحبان ان کی تفصیل سے واقف ہیں۔ اگر نہ ہوں۔ تو ہم اس خدمت کو بجا لانے کے لئے تیار ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ

ایک غیر مبایع کا خط

آپس میں السلام علیکم کہنا

از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۲۳ مئی ۱۹۲۴ء

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

ولایت جانے کے متعلق مشورہ

میں نے پچھلے دنوں ایک امر کے متعلق مشورہ لیا تھا۔ اور اب بھی اسی امر کے متعلق ایک الگ مشورہ لیا ہے۔ ان مشوروں کے لینے کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ امر ایسے طور پر مشہور ہو چکا ہے۔ کہ اس کا اب مخفی رکھنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے میں اس میں حرج نہیں سمجھتا۔ کہ خطبہ میں اس کا اظہار کر دوں۔ وہ امر میرے ولایت جانے کے متعلق ہے۔ اس کی نسبت میں نے جماعت سے مشورہ لیا ہے کہ یہ وقت میرے ولایت جانے کے لئے بہتر ہے یا نہیں۔ اور جماعت کے لوگوں سے آراء طلب کی گئی ہیں۔ تاکہ جانے کے متعلق فیصلہ ہو۔ چنانچہ رائیں اور مشورے باہر کی جماعتوں کے آ رہے ہیں۔

ایک غیر مبایع کا خط

اور انہی مشوروں کی ضمن میں اور اسی تحریک کی اثناء میں ایک دوست نے خط لکھا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔ گو میں غیر مبایع ہوں لیکن مجھے آپ سے بعض مبایعین سے بھی زیادہ محبت ہے۔ اس لئے اس تحریک کے موقعہ پر میں بھی مشورہ دیتا ہوں۔ اور اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے خط میں میرے جانے کے متعلق مشورہ دیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ میں ان کے مشورہ کو بیان کر دوں۔ ان کے اس فقرہ کے متعلق جو انہوں نے لکھا ہے۔ کہ مجھے آپ کے ساتھ بعض مبایعین کی نسبت زیادہ محبت ہے۔ کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

محبت کا دعویٰ

وہ یہ کہ اس قول کو ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کیونکہ اگر کوئی شخص کسی امر کا دعویٰ کرے۔ اور اس کے دعویٰ کی کوئی مخالفت نہ کرے۔ اور نہ ہی اس کے دعویٰ کے برخلاف ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہوں۔ جن سے اس کے دعویٰ کی تردید ہو سکے۔ تو ہم اس صورت میں اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لینگے۔ بہ نسبت اس شخص کے دعویٰ کے کہ اس کے دعویٰ کے برخلاف کوئی کھڑا ہو۔ اور وہ اس کے دعوے کو توڑ دے۔ یا ہمیں اس کے دعوے کے بطلان کے متعلق کافی دلائل مل گئے ہوں۔ یا دلائل تو نہ ملے ہوں لیکن خود ہی اس نے اپنے دعویٰ کو چھوڑ دیا ہو۔ اس صورت میں ہم اس شخص کے دعوے کو قبول نہیں کرینگے چونکہ یہ صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے آپ کے ساتھ بعض مبایعین کی نسبت زیادہ محبت ہے۔ جب تک ان کے اس دعوے کے برخلاف ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہ ہو۔ جو اس دعوے کو توڑ دے یا ان کے اس دعوے کی تردید کر دے۔ تب تک ہم اس دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کے مشورہ دینے کو ایک مخلصانہ فعل قرار دیتے ہیں۔ گو وہ سلوک جو غیر مبایعین نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ وہ ایسا بُرا سلوک ہے۔ کہ ایسا ہم سے ہندوؤں نے سکھوں اور عیسائیوں نے اور دیگر مذاہب والوں نے بھی نہیں کیا۔ اور وہ فحش کلامی اور وہ ایذا رسانی جو ان لوگوں کی طرف سے ہمارے متعلق برتی گئی ہے۔ اس کی مثال دوسری قوموں میں نہیں ملتی۔ ان کی اس ایذا رسانی کے ہوتے ہوئے ان کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ کوئی شخص ان میں ایسا بھی ہے۔ عجیب بات ہے۔ لیکن چونکہ خط لکھنے والے صاحب اس بات کے مقر ہیں کہ ان کا تعلق ہمارے ساتھ بعض مبایع کی نسبت بھی زیادہ ہے اور پھر ان کے اس کہنے کے برخلاف ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل بھی نہیں۔ جو اس دعویٰ کو توڑ دے۔ اس لئے میں ان کے اخلاص کو تسلیم کرتا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ ان کا مشورہ ایک مخلصانہ مشورہ ہے۔ لیکن چونکہ میں نے ولایت جانے کے متعلق ابھی تک رائے قائم نہیں کی۔ اور جماعت کے آدمیوں کو استخارہ کے لئے کہا ہے کہ وہ استخارہ کر کے بتائیں کہ یہ وقت ولایت جانے کے لئے مناسب ہے یا نہیں۔ اور خود بھی استخارہ کر رہا ہوں۔ اور خیال ہے کہ جب تمام جماعت کی رائیں آ جائیں۔ اور استخارے بھی ہو جائیں۔ تب ولایت جانے کے متعلق فیصلہ ہو۔

خط کی ایک اور بات

اس لئے ولایت جانے کے امر کو چھوڑ کر میں فی الحال خط کی ایک اور بات کی نسبت جو انہوں نے لکھی ہے۔ کچھ کہتا ہوں گو میں اس بات کی نسبت ایسا نہیں سمجھتا کہ ہماری جماعت میں اس حد تک پائی جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اسی بات کی نسبت جو انہوں نے اپنے خط میں لکھی ہے۔ مجھے باہر سے اور کئی لوگوں کی شکایت بھی آئی ہے۔

السلام علیکم کہنا

وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ قادیان میں عموماً عام لوگ آپس میں السلام علیکم نہیں کہتے۔ لیکن خصوصیت سے وہ لوگ جو کہ بڑے عہدوں پر متمکن ہیں۔ میرے خیال میں یہ ان کا خیال صحیح نہیں۔ موجودہ زمانہ میں سلام کا مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہو گیا ہے جس کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً بعض طبائع میں حجاب ہوتا ہے۔ جس سے وہ آپس میں بلند آواز سے سلام نہیں کر سکتے۔ اور جب کسی سے ملتے ہیں۔ تو آہستہ سے سلام کہہ دیتے ہیں یا آہستہ سے جواب دیدیتے ہیں۔ اس پر سلام کرنیوالا سمجھتا ہے۔ کہ میں نے سلام کیا ہے۔ یا جواب دینے والا خیال کرتا ہے۔ کہ میں نے جواب دیدیا ہے۔ لیکن دوسرا اس کے جواب کو بوجہ آہستہ ہونے کے نہیں سن سکتا۔ اور خیال کرتا ہے کہ یہ متکبر ہے۔ اس نے میرے سلام کا جواب تک نہیں دیا۔ اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ جواب دینے والا ایسا آہستہ جواب دیتا ہے۔ کہ سلام کرنیوالا اس کے جواب کو نہیں سنتا۔ کیونکہ اس کے کان اونچی آواز سننے کے منتظر ہوتے ہیں۔ جب آہستہ جواب ملتا ہے۔ تو وہ سن نہیں سکتے۔ اس پر وہ شخص خیال کر لیتا ہے کہ اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ حالانکہ اس نے جواب دیا ہوتا ہے مگر اس نے سنا نہیں ہوتا۔ تو یہ ایک قسم کا حجاب ہوتا ہے

طبعی حجاب

یہی حجاب میرے اندر شروع میں تھا لوگ مجھ کو سلام کرتے تھے۔ اور میں ان کے سلام کا جواب دیتا تھا۔ لیکن چونکہ میں اپنی عادت کے مطابق آہستہ جواب دیتا تھا۔ اس لئے وہ سن نہ سکتے تھے۔ اور خیال کرتے تھے کہ میں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ حالانکہ میں ان کے سلام کا جواب دیتا تھا۔ جواب نہ سُننے کی وجہ سے بعض مجھے متکبر کہتے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ جو غیر مبائع ہو گئے۔ انہوں نے اسی وجہ سے میری نسبت کہا کہ وہ متکبر ہیں۔ سلام کا جواب تک نہیں دیتے۔ اور وہ یہ کہنے میں معذور تھے۔ کیونکہ یہ میری عادت تھی کہ میں سلام کا اونچا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ چونکہ لوگ مجھے سلام کہہ کر اونچا جواب سُننے کے منتظر ہوتے تھے۔ اور ان کے کان اونچا جواب سننے کے لئے تیار ہوتے تھے۔ اور میں ان کی اُمیدوں کے برخلاف آہستہ جواب دیتا تھا۔ اس لئے وہ سُن نہ سکتے تھے۔ اور خیال کرتے تھے۔ کہ ان کے سلام کا جواب نہیں دیا گیا۔

اعضاء کی کسی کام کے لئے تیاری

شاید کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے کہ اونچی آواز سُننے کے منتظر ہونے کی وجہ سے کیونکر نیچی آواز نہیں سُنائی دے سکتی۔ مگر یہ بالکل آسان ہے۔ اسکی مثال بعینہ یہ ہے۔ کہ اگر ایک پنسل ایک میز پر پڑی ہو اور ایک آدمی اس کو اُٹھانا چاہے۔ تو اسے اٹھانے کے لئے اس کے ہاتھ کے اندر اتنی ہی طاقت پیدا ہوگی جس کے ذریعہ وہ پنسل کو اُٹھائیگا۔ اور اُٹھانے میں اسکو اپنے ہاتھ کی تھوڑی سی طاقت خرچ کرنی پڑیگی۔ لیکن اگر وہی پنسل لیوی کے ذریعہ میز سے چپکائی ہوئی ہو جس کا اسے علم نہ ہو۔ تو وہ اتنی طاقت سے جو اس نے پہلے پنسل کے اُٹھانے میں خرچ کی تھی۔ پنسل کو میز سے نہ اُٹھا سکیگا پھر اور طاقت ہاتھ کے اندر پیدا کر کے پنسل کو میز سے اٹھائے گا۔ دوسری دفعہ وہ پنسل کے اُٹھانے میں کیوں ناکام رہا۔ اس لئے کہ اس نے اتنی طاقت پنسل کے اُٹھانے میں خرچ کی تھی۔ جتنی کہ اس نے پہلی دفعہ جبکہ پنسل لیوی سے چپکی ہوئی نہ تھی۔ خرچ کی تھی۔ اور چونکہ اس کا ہاتھ اسقدر طاقت خرچ کرنے کے لئے تیار ہو کر نہ آیا تھا جس قدر چاہیئے تھی۔ اس لئے پنسل اُٹھائی نہ جاسکی۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا۔ کہ پنسل چپکی ہوئی ہے۔ تو اور طاقت اس نے صرف کر کے پنسل کو اُٹھایا۔ یہی حال انسان کے اعضاء کا ہے۔ کہ وہ کسی کام کے کرنے کے وقت اندازہ لگا لیتے ہیں۔ کہ اس کام کے کرنے میں کتنی طاقت صرف ہوگی۔ اور پھر وہ اتنی ہی طاقت اپنے اندر مہیا کر کے اس کام کو کر لیتے ہیں۔ بعینہ یہی حالت کانوں کی ہے۔ وہ چونکہ اونچی آواز سننے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لئے اونچی آواز سننے کے منتظر رہتے ہیں۔ اور اتنی ہی طاقت اپنے اندر مہیا رکھتے ہیں۔ کہ اونچی آواز سُن سکیں۔ لیکن جب وہ اپنی توقع کے خلاف آہستہ آواز سُنتے ہیں۔ تو اسے نہیں سُن سکتے۔ اور سننے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کچھ سُنا ہی نہیں اور نہ سننے کی وجہ سے سلام کرنے والا خیال کرتا ہے کہ اس کے سلام کا جواب نہیں دیا گیا۔ اور اسکے سلام کی پرواہ نہیں کی گئی۔ مگر دونوں اصل میں معذور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اصل وجہ وہی ہے۔ جو میں پہلے بتلا آیا ہوں۔

ایک ہمارا ہم جماعت بہرہ تھا۔ اور دوسرے بہروں کے برخلاف بہت آہستہ بولتا تھا۔ اس سے بات چیت تو بلند آواز سے کی جاتی تھی۔ لیکن بہرہ ہونے کی وجہ سے وہ چونکہ بہت آہستہ سُنتا تھا۔ اس لئے بولتا بھی آہستہ تھا۔ اور بعض اوقات کلام کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مُنہ میں بڑبڑا رہا ہے ایسے شخص سے اگر کوئی بلند آواز میں سلام کے جواب کی توقع رکھے۔ اور پھر نہ سُنے۔ تو دونوں اپنی اپنی جگہ معذور ہونگے۔ پس بعض لوگ سلام کا جواب اپنی عادت کے موافق آہستہ دیتے ہیں۔ اور سلام کرنے والا اسکے جواب کو اچھی طرح سُن نہیں سکتا۔ اس لئے وہ خیال کرتا ہے۔ کہ میرے سلام کا جواب نہیں دیا گیا۔ اور بدظن ہو کر شکایت کرتا ہے۔

اُونچی آواز سے السلام علیکم کہنا

تو جیسا کہ مجھے آہستہ جواب دینے کی عادت تھی۔ ایسا ہی ہماری جماعت کے بعض لوگوں میں ہو اور ان کے لئے میری مثال عذر ہے۔ لیکن پھر بھی میں کہتا ہوں۔ کیا شریعت کے مقررہ سلام سے یہی منشاء ہے۔ کہ انسان صرف سلام کے لفظ کو مُنہ سے ادا کر دے۔ خواہ اسکو دوسرا سُنے یا نہ سُنے۔ اگر صرف کہدینا ہی کافی ہوتا۔ اور دوسرے کو سُنانا اور اس کا جواب لینا ضروری نہ ہوتا۔ تو شریعت میں سلام کو آہستہ کہنے کا بھی حکم ہوتا۔ اور جس طرح ہم آہستہ نماز میں تسبیح اور تحمید پڑھتے ہیں اسی طرح آہستہ سلام بھی کہدیتے۔ اور شریعت میں بُرا نہ قرار دیا جاتا۔ کہ سلام سُن کر اس کا جواب وعلیکم السلام دیا جائے۔ شریعت نے جب السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام رکھا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ السلام علیکم بلند آواز سے کہنا چاہیئے۔ تاکہ دوسرا سُنے اور سلام کا جواب دے۔ پس چونکہ آہستہ سلام کہنے سے وہ غرض جس کے لئے شریعت نے سلام کو جاری کیا ہے۔ مفقود ہوتی ہے۔ اور آہستہ سلام کرنا نہ صرف شریعت کی غرض کو ہی پورا نہیں کرتا۔ بلکہ سلام نہ کہنے کے برابر ہے۔ اس لئے تمہیں چاہیئے۔ کہ تم اونچا سلام کہو تاکہ شریعت کی غرض پوری ہو۔ اور اس شکایت کو دور کر دو۔ جو آسانی سے دور کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح تمہارے متعلق شکایت کی جاتی ہے۔ اسی طرح جب میرے متعلق متواتر مجھکو شکایت پہونچی۔ کہ میں لوگوں کے سلام کا جواب نہیں دیتا۔ تو میں نے کوشش شروع کی۔ کہ میں سلام کا جواب اتنی اونچی آواز سے دُوں کہ سلام کرنیوالا وعلیکم السلام سُن لے۔ اور سلام کا جواب نہ دینے کی شکایت نہ رہے۔ میں نے آواز کو اونچا کیا۔ اور اب اونچی آواز سے جواب دیتا ہوں۔ میں نے چونکہ یہ تبدیلی جلدی کر لی۔ اور آہستہ جواب دینے کی عادت کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے میں اس تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جن کو آہستہ سلام کا جواب دینے کی عادت ہو۔ جلدی اس عادت کو چھوڑ سکتے ہیں۔ اور وہ جلدی عادی ہو سکتے ہیں کہ سلام کا جواب اونچی آواز سے دیں۔ پس تم اونچی آواز سے سلام کا جواب دو اور اس آہستہ جواب دینے کی عادت کو چھوڑ دو۔

سلام کے متعلق رسُول کریمؐ کا حکم

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے مومن کی علامتوں میں سے ایک سلام کے کہنے کو بھی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ سَلِّمْ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔ یعنی سب کو سلام کہنا چاہیئے۔ خواہ واقف ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ سُنا۔ تو انہوں نے عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر مذاہب والوں کو بھی سلام کہنا شروع کر دیا۔ اسپر کسی نے کسی صحابی پر اعتراض کیا کہ آپ غیر مسلموں کو کیوں سلام کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سلم علی من عرفت ومن لم تعرف۔ کہ تو جس سے ملے۔ خواہ وہ واقف ہو یا نہ ہو۔ سلام کہو۔ اس لئے ہم جس سے واقف نہیں ہوتے۔ اور نہیں جانتے کہ اس کا کیا مذہب ہے۔ اُسے بھی کہدیتے ہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد کے بعد صحابہ میں سلام اس حد تک جاری ہو گیا کہ حدیث میں آتا ہے۔ ایک صحابی عصر کے وقت صرف سلام کرنے کی خاطر بازار جایا کرتے تھے۔ کوئی سودا وغیرہ لینا ان کا مقصد نہ ہوتا تھا۔ صرف سلام کی غرض سے بازار جاتے تھے

اخوت اسلامی پیدا کرنے کا ذریعہ

اس سے معلوم ہوا کہ سلام کہنا کوئی چھوٹی سی نیکی نہیں جسے یونہی چھوڑ دیا جائے۔ اور اسکی نگہداشت نہ کی جائے۔ یہ اخوت اسلامی کے قائم کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اور اس سے اخوت اسلامی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن ہماری جماعت اس میں سُست ہے۔ اور ان میں آہستہ سلام کہنے یا سلام کا آہستہ جواب دینے کی مرض ہے۔ وہ آہستہ سلام کا جواب دیکر سمجھتے ہیں۔ کہ ہم نے سلام کا جواب دیدیا۔ حالانکہ سلام کہنے والے تک ان کے جواب کو سنانا نہیں ہوتا۔ اور نہ سُننے کی وجہ سے وہ غرض جو سلام کے کہنے میں اخوت اسلامی کے قائم کرنے کی شریعت نے رکھی تھی۔ اور جس کے قیام کیلئے یہ جاری کیا گیا تھا۔ مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ یہ عادت ہماری جماعت میں انکی سابقہ صحبت کی وجہ سے پڑی ہوئی ہے کیونکہ آجکل مسلمانوں میں سلام بطور رسم سلام کہنا یا اس کا جواب دینا عادت کے طور پر رہ گیا ہے۔ اور اسکی اصل غرض مفقود ہو گئی ہے۔ چونکہ بعض اخلاق انسان میں مصاحبت کی وجہ سے آجاتے ہیں۔ اور بعض اخلاق اور عادات انسان میں وراثتاً آتے ہیں۔ اس لئے یہ مرض ہماری جماعت میں سابقہ مصاحبت کا ہی نتیجہ ہے۔ جس سے السلام علیکم کی غرض تو مفقود ہو گئی ہے۔ صرف ایک رسم اور عادت رہ گئی ہے۔ جسکی وجہ سے لوگ صرف سلام کے جواب میں ہونٹ ہلا دیتے ہیں۔ اور بلند آواز سے سلام نہیں کہتے۔ اور نہ ہی اس کی غرض کی طرف کبھی انہوں نے توجہ کی ہے۔ وراثتاً کسی عادت کے پائے جانے کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک بچہ ہور ہور سے تو ڈرتا ہے۔ لیکن ڈھول بجانے سے نہیں ڈرتا۔ اور ایک علم طبعیات کا ماہر لکھتا ہے کہ بچے عموماً ڈھول سے نہیں ڈرتے۔ مگر ہور ہور کی آواز سے ڈر جاتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ جب پہلے زمانہ میں لوگ جنگلوں میں رہتے تھے۔ اور شیروں کی آواز سنتے تھے۔ تو اس سے خوف زدہ ہوتے تھے۔ اس کا اثر اب تک چلا آتا ہے۔ اور جب کسی بچہ کے سامنے ہور ہور کیا جاتا ہے تو وہ اس خوف کی وجہ سے ڈر جاتا ہے اگرچہ اس کے سامنے شیر نہیں ہوتا۔ اور نہ اس نے شیر کی آواز سُنی ہوتی ہے۔ پس شیر تو مٹ گیا۔ مگر اس کی آواز کا اثر رہ گیا۔ اسی طرح سلام کے متعلق ہے کہ غرض تو مٹ گئی ہے۔ اور رسم رہ گئی۔ جس کے اظہار کیلئے لوگ صرف ہونٹ ہلا دیتے ہیں۔ یہ ہونٹ ہلانے کی مرض احمدیوں میں غیر احمدیوں کی سابقہ مصاحبت کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ نہیں کہ یہ لوگ متکبر ہیں۔ اور بلند آواز سے سلام کہنا نہیں چاہتے بلکہ اصل میں یہ ایک حجاب ہے۔ اور کچھ نہیں ہمیں اس حجاب کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور سلام کے حکم کی پابندی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کو اخوت اسلامی کی ایک ضروری علامت قرار دیا ہے۔ اور اسکو اخوت اسلامی کے لئے ایسا ضروری قرار دیا ہے۔ جیسے آپ نے نماز کی صفوں کا سیدھا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ جب سے مسلمانوں نے ان احکام کی پرواہ نہ کی۔ اور انہیں چھوٹا سمجھتے ہوئے ترک کر دیا اسی وقت سے انہیں زوال شروع ہو گیا۔ مسلمانوں نے سلام اور صفوں کے سیدھا کرنے کو معمولی حکم قرار دیکر اسکی کما حقہٗ نگہداشت نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سے اخوت مٹ گئی۔ اور جن حکموں کو انہوں نے چھوٹا سمجھ کر چھوڑ رکھا تھا وہی ان کے زوال کا باعث بنگئے کیونکہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بڑے بڑے نتائج پیدا کرتی ہیں۔

سلام کرنا ایک شعار ہے

پس تم سلام کو چھوٹی اور معمولی بات سمجھ کر نہ چھوڑ دو۔ بلکہ اسکی نگہداشت کرو۔ کیونکہ یہ کوئی معمولی سی بات اور چھوٹا سا حکم نہیں بلکہ اخوت اسلامی کے قیام کیلئے ایک ضروری اور لابدی امر ہے شریعت نے اسے ایک شعار قرار دیا ہے۔ پس چھوٹے اور بڑے۔ بوڑھے اور بچے سب اسکی نگہداشت کریں وہ لوگ جو بڑے درجوں پر ہیں چھوٹوں کو سلام کریں۔ یہ نہ ہو کہ وہ یہ خیال کر کے چپ ہیں کہ ہم بڑے ہیں چھوٹوں کو چاہیئے ہمیں سلام کہیں اور چھوٹے یہ خیال کر کے چپ ہیں کہ بڑے ہمیں سلام کریں۔ جسکا نتیجہ یہ ہو کہ کوئی بھی انہیں سے سلام نہ کہے۔ دونوں چپ چاپ گذر جائیں۔ اور اخوت پیدا کرنے کی وہ غرض مفقود ہو جائے جس کیلئے سلام کو شریعت نے مقرر کیا ہے۔ پس جب کبھی وہ لوگ جو بڑے درجوں پر متمکن ہیں چھوٹے درجے کے لوگوں سے ملیں تو پہلے سلام کریں اور اس بات کا خیال نہ کریں کہ ہم بڑے ہیں ہمیں سلام نہیں کرنا چاہیئے چھوٹوں کو چاہیئے کہ ہمیں سلام کریں۔ بلکہ میرے نزدیک انہیں سلام کرنے میں پہل کرنی چاہیئے۔ اسی طرح جب ایک درجہ کے دو مومن ایک دوسرے کو دیکھیں تو دیکھنے کے ساتھ ہی سلام کریں یعنی جس کی نظر پہلے پڑ جائے وہ سلام کہے۔ سلام کرنا اسلامی اخلاق میں سے ایک بہت بڑا خلق ہے۔ اور یہ خلق ہماری جماعت کے ہر فرد میں پایا جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا قومی شعار ہے کہ جس کے مضبوط کرنے سے ہم میں اخوت اسلامی قائم رہ سکتی ہے پس میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست سلام کہنے میں کوتاہی نہیں کرینگے اسلامی شعار کو اسی طرح ادا کرینگے جس طرح کہ صحابہ کے وقت ادا ہوتا تھا۔

ولایت جانے کی غرض اور اخراجات

دوسری بات جو وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ روپیہ جو آپ کے ولایت جانے پر خرچ ہو گا اگر اسی کو یتیم خانے پر لگا دیں تو بہت اچھا ہو۔ اول تو میں نے بتلایا ہے کہ ابھی جانے کے متعلق جماعت کا مشورہ لیا گیا ہے۔ اور احباب سے کہا ...

کہ وہ استخارہ کرکے بتائیں کہ یہ وقت ولایت جانے کے لئے مناسب ہے یا نہیں۔ پس جماعت کے مشوروں اور استخاروں کے بعد اس امر کا فیصلہ ہوگا کہ جانے کے لئے یہ وقت مناسب ہے یا نہیں۔ لیکن فی الحال میں اس غلط خیال کی تردید کرنا چاہتا ہوں۔ جو اخراجات کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ یہ خیال کسی اور کے دل میں بھی پیدا ہو۔ اور دوسرے لوگ بھی اس دھوکے میں پڑیں۔

شرعی احکام کی حدبندی

اسلام کے تمام رُکن معین اور مقرر ہیں۔ اور ان کی حدبندی ہے۔ زکوٰۃ کو لو۔ تو اس کی حدبندی ہے۔ کہ چالیس روپے ہوں۔ اور ان پر سال گذر جائے تو ایک روپیہ دو۔ یہ نہیں کہا کہ سب مال دے دو۔ پھر روزے ہیں۔ ان کے متعلق یہ نہیں کہا گیا۔ کہ ہمیشہ ہی روزے رکھا کرو۔ بلکہ خاص رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے کا حکم ہے۔ برخلاف اس کے وہ شخص جو شریعت کے اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور تمام سال روزے رکھتا ہے۔ اس کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ دوزخ کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ تو دیکھو۔ آپ نے اس شخص کے لئے جو ہمیشہ روزے رکھتا ہو۔ کیسی سزا مقرر کی ہے۔ پھر جس طرح زکوٰۃ اور روزوں کی حدبندی ہے۔ اسی طرح حج کے متعلق ہے۔ کہ تمام عمر میں ایک دفعہ کرنا فرض ہے۔ یہ نہیں کہا۔ کہ ہر سال کیا کرو۔ اور پھر اس کے کرنے کے متعلق شرائط مقرر کر دی ہیں۔ جن میں وہ پائی جائیں۔ وہ حج کریں۔ اور جن میں نہ پائی جائیں۔ وہ نہ کریں۔ اسی طرح نماز کو لو۔ نماز بھی پانچ وقت کی مقرر کی ہے۔ یہ نہیں کہا۔ کہ تمام دن نماز ہی پڑھتے رہا کرو۔ پھر بعض اوقات میں نماز نہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً سورج کے طلوع ہونے کے وقت یا غروب ہونے کے وقت یا دوپہر کے وقت۔ اسی طرح صدقہ خیرات کی بھی حدبندی ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ نہ تو تو اپنے ہاتھوں کو بالکل کھول دے۔ اور نہ ان کو بالکل بند رکھ۔ بلکہ درمیانہ چال چل۔ پس شریعت نے تمام ارکان کی حدبندی کی ہے۔ اور ہر ایک کی کچھ نہ کچھ حد مقرر کر دی ہے۔ تاکہ انسان اس حد سے آگے بڑھ کر نقصان نہ اٹھائے۔ پس شریعت نے ان رکنوں میں مال خرچ کرنے کی حدبندی کر دی ہے۔ جن میں مال خرچ کیا جاتا ہے۔ اور تمام مال کے خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ان رکنوں میں وقت خرچ کرنے کی حدبندی کر دی ہے جن میں وقت کی قربانی کی جاتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا۔ کہ تمام دن خدا تعالےٰ کی عبادت ہی کرتے رہو۔ اور کچھ نہ کرو۔ بلکہ شریعت نے اپنے نفس کا بھی حق مقرر کیا ہے۔ بیوی کا حق بھی رکھا ہے۔ اور دوسرے حقوق بھی قرار دیئے ہیں۔ اپنے نفس کے حق کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یعنی اے انسان جو انعام اور نعمتیں خدا نے تم کو دی ہیں۔ ان کا شکر کر اور ان کو لوگوں میں ظاہر کر۔ اور بتا کہ میرے رب نے مجھ کو یہ نعمت دی ہے۔ پس خدا تعالےٰ کی نعمت کو لوگوں میں ظاہر کرنا چاہئیے۔

ہر پہلو کو مدنظر رکھنا ضروری ہے

یہ نہیں۔ کہ جو روپیہ ملے۔ اس کو ایک ہی شاخ میں خرچ کر دینا چاہئیے۔ اور دوسری شاخوں کو نظر انداز کر دینا چاہئیے۔ مثلاً جو روپیہ آتا ہے۔ اگر وہ یتیموں پر ہی خرچ کر دیا جائے۔ اور دیگر شاخوں کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ تو سلسلہ میں جلدی تباہی آ جائے۔ اگرچہ یتیموں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اور اسی وجہ سے اب بھی ۴۰ ہزار روپیہ سالانہ کے قریب ان پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ روپیہ بھی ہے جو الگ الگ جماعتوں کے ذریعہ سے خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر وہ بھی ملا لیا جائے۔ تو نصف چندہ کے برابر ہو جاتا ہے۔ موجودہ صورت میں ہم یتامیٰ کا جس قدر خیال رکھ سکتے ہیں۔ اتنا رکھا ہوا ہے۔ لیکن اگر ہم یہ خیال کریں کہ چندہ کا جس قدر روپیہ آئے۔ وہ یتیموں پر ہی خرچ کر دیں۔ اور دیگر سلسلہ کے کام روک دیں۔ مثلاً لنگر خانہ بھی بند کر دیں۔ تبلیغ پر خرچ نہ کریں۔ نہ ہی تالیف و تصنیف پر خرچ کریں۔ تو نتیجہ یہ ہو۔ کہ سلسلہ چند دنوں میں تباہ ہو جائے۔ سلسلہ کو قائم رکھنے کے لئے مختلف رنگوں میں کام ہو رہا ہے۔ اور مختلف طریقوں سے اس کو قوت پہونچائی جا رہی ہے۔ اور یہ ضروری ہے۔ کہ سلسلہ کے قیام کے لئے ساری شاخوں کا خیال رکھا جائے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ یتامیٰ کا معاملہ نہایت ضروری ہے۔ اس کا خیال رکھنا ایک لابدی امر ہے۔ اور اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نصف کے قریب چندہ یتامیٰ پر خرچ کرتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا ان پر خرچ کرنا عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم نے کوئی یتیم خانے نہیں بنائے ہوئے۔ اور نہ ان پر بورڈ لگائے ہوئے ہیں۔ جن سے ظاہر ہو۔ کہ اتنے یتیم خانے یہاں ہیں۔ اور اتنے یتیم ان میں رہتے ہیں۔ اور اتنی بیوائیں ان میں سکونت پذیر ہیں لیکن باوجود اس کے کہ ہم نے ظاہری یتیم خانے نہیں بنائے ہوئے۔ پھر بھی میں ۷۰ ہزار کے قریب روپیہ ان پر خرچ کرتا ہوں۔ اور باقی نصف اور صیغوں پر خرچ ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جتنا روپیہ یتامیٰ پر خرچ ہوتا ہے۔ اوروں پر خرچ نہیں ہوتا۔ کیونکہ کل چندہ ایک لاکھ ۴۰ ہزار کے قریب ہوتا ہے۔ جس میں سے ۷۰ ہزار یتیموں اور بیواؤں پر خرچ ہوتا ہی اور باقی نصف تمام صیغوں پر خرچ ہوتا ہے۔ پھر ضروری ہے۔ کہ تمام صیغوں پر یکجائی نظر رکھی جائے اور سب کا خیال رکھ کے سب پر خرچ کیا جائے کیونکہ اگر ہم ایسا نہ کریں۔ اور سب پر روپیہ برابر خرچ نہ کریں۔ تو سلسلہ تباہ ہو جائے۔ اور تمام رک جائے۔

شوکت اسلام کیلئے خرچ

ہم کو بعض دفعہ روپیہ اس لئے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ کہ دنیا میں اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہو۔ اور اس کے نام پر جو دھبہ لگایا جا رہا ہو۔ وہ مٹ جائے۔ اگر ہم ہمیشہ اور صیغوں کا خیال رکھیں۔ اسلام کی شان و شوکت کے لئے کچھ نہ خرچ کریں۔ تو اس سے بھی اسلام کو نقصان پہونچیگا۔ پس اسلام کی شان و شوکت کو ظاہر کرنے کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے۔ کہ اس کے لئے روپیہ خرچ کیا جائے۔ چنانچہ ملکانہ

میں جو ہم نے تبلیغ شروع کی ہے۔ اس کی ایک غرض یہ بھی تھی۔ کہ اسلام کے رعب اور شوکت کو مٹانے کے لئے آریوں نے جو شدھی کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ اسے روکا جائے۔ اور اسلام کی شوکت کو مشتبہ نہ ہونے دیا جائے۔ اس غرض کے لئے ہماری جماعت کو اپنا مال و جان اور وقت خرچ کرنا پڑا۔ بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ جس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا۔ کہ سلسلہ کا نام ایک شان کے ساتھ شہرت پا گیا۔ اور ایسے لوگوں کو جو پہلے اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے توجہ پیدا ہو گئی۔ جس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ ملکانہ تحریک کے بعد بہت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے ہیں ؛

غرض کبھی اسلام کی شہرت کے لئے بھی روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ میرے ولایت جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا اس وقت جانا مناسب ہے یا نہیں اس وقت روپیہ کا سوال نہیں ہے۔ اور اگر میں ولایت جانے کو ملتوی اس لئے کر دوں۔ کہ یہ روپیہ یتیموں پر خرچ ہو جائے۔ تو میں کہتا ہوں۔ اس طرح سلسلہ کی ترقی کا وہ پہلو چھوٹ جائے گا۔ جو شہرت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جو عظیم الشان ترقی کا باعث ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ میرے جانے سے سب لوگ مسلمان ہو جائینگے لیکن کم از کم یہ تو ضرور ہو گا۔ کہ اسلام کی اصل تعلیم ان کے سامنے پیش ہو سکے گی ؛

کسی ایک پہلو پر زور دینا درست نہیں

پھر اگر ہم اس خط کے لکھنے والے کا کہنا مانکر یہ روپیہ یتیموں کی تربیت پر خرچ کرنے کا ارادہ کریں۔ تو کئی لوگ ایسے کھڑے ہو جائینگے۔ جو یہ مشورہ دینگے۔ کہ یہ روپیہ تبلیغ پر خرچ ہو۔ یتیموں کا گذارہ تو ہو ہی رہا ہے اور جب ہم ان کا کہنا مان کر تبلیغ پر خرچ کرنے کا ارادہ کرینگے تو کئی لوگ ایسے کھڑے ہو جائینگے۔ جو تعلیم سے محبت رکھتے ہونگے۔ اور یہ کہیں گے۔ کہ روپیہ تعلیم میں خرچ ہو۔ اس طرح خرچ کرنے کے متعلق فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تو اب ہم کو سب صیغوں پر یکجائی نظر رکھنی چاہیئے اور کسی خاص پہلو پر زور نہیں دینا چاہیئے۔ ورنہ سلسلہ پر تباہی آ جائیگی۔ اور اس صورت میں سلسلہ کو مضبوط سمجھنا ایسا ہی ہو گا۔ جیسا کہ کہا جائے۔ فلاں شخص خوبصورت ہے۔ مگر اس کی آنکھ اندھی ہے۔ یا ناک کٹا ہوا ہے۔ پس سلسلہ اسی وقت تباہی سے بچ سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ سارے صیغوں کا خیال رکھے۔ اور ہم نے تو یہاں تک کیا ہے۔ کہ یتیموں کی خبر گیری کے لئے ہم نصف روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اور باقی نصف چندے کا اور صیغوں میں خرچ ہوتا ہے۔ پس یتیموں کی خبر گیری کا ہم نے سب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ اگرچہ وہ اہتمام ظاہر نہیں جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں پر ہمارے ہاں اس طرح یتیم خانے نہیں بنے ہوئے۔ جس طرح اور انجمنوں نے بنائے ہوتے ہیں اور ان پر بورڈ لگے ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ اس لئے نہیں کیا۔ کہ ہم شہرت نہیں چاہتے۔ ہم فی سبیل اللہ ان کی تربیت کرتے ہیں۔ اور ان کی تربیت کے لئے ۵۶ ہزار روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر آج اس رقم کو ان پر خرچ کرنا بند کر دیا جائے۔ تو سب کو پتہ لگ جائے۔ کہ یہاں کتنے یتیم ہیں۔ اور اگر آج بیواؤں کی مدد اور ان کے وظائف بند کر دیئے جائیں۔ تو تین چار سو آدمی قادیان میں بھوکے پھرتے نظر آئیں۔ اور پتہ لگ جائے کہ کتنی بیوائیں اور یتیم بچے قادیان میں رہتے ہیں ؛

پس ہم یتیموں اور بیواؤں کا خیال سب سے زیادہ رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسرے صیغوں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اور یہی صورت کامیابی کی ہے ورنہ اگر سب صیغوں پر نظر رکھنی چھوڑ دی جائے تو فوراً سلسلہ میں تباہی آ جائے۔ اور جب کبھی تم اس نکتہ کو چھوڑ دوگے یقیناً وہ وقت تمہاری تباہی کا پہلا قدم ہو گا۔ اور اسی وقت سے تمہاری تباہی شروع ہو جائے گی۔ پس تم سلسلہ کے قیام کے لئے سب صیغوں کا خیال رکھو۔ اور ان کی ضرورتوں کے مطابق ان پر خرچ کرو ؛

وصیت نمبر ۲۰۴۶

میں دوست محمد خان ولد حاجی محمد خان قوم حجانہ بلوچ ساکن دھورہ حجانہ ڈاک خانہ کوٹلہ مغلاں تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ کے اپنی جائیداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ؛

(۱) میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو۔ اسکے دسویں $\frac{1}{10}$ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی ؛

(۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بکار وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی

(۳) میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے۔ غیر منقولہ میں ایک مکان سکنی واقع قصبہ جام پور جو سیلاب رودکوہی سے تباہ ہو کر اب بصورت کھنڈر و سفید زمین ہو گیا ہے۔ بالمقابل گورنمنٹ ہائی سکول جام پور ایک مکان کچہ واقع بستی ڈھورہ حجانہ زرعی اراضی قطعہ منقسمہ چاہ دھورہ خانہ و چاہ بخشی والا کھنہ واقع موضع دھورہ حجانہ مذکور جملہ رقبہ تخمیناً تریسٹھ بیگھہ زمین زرعی جائیداد منقولہ ایک گھوڑی اور ایک جوڑی مادہ گاوال۔ و دو جوڑی نر گاوال۔ اس کے علاوہ کوئی نقدی یا زیور نہیں ہے۔ تمام جائیداد مندرجہ سطور کے دسویں حصے کی وصیت کی جاتی ہے۔ اس وقت میری تنخواہ اسی (۸۰) روپیہ ماہوار ہے۔ وہ ادا کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ مورخہ ۷ ر ستمبر ۱۹۲۳ء بمقام ڈیرہ غازی خاں ؛

العبد :- دوست محمد حجانہ۔ بقلم خود۔ وصیت کنندہ۔

گواہ شد :- محمد عثمان احمدی مدرس گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ غازیخاں۔ بقلم خود

گواہ شد :- عزیز محمد احمدی وکیل ڈیرہ غازی خاں۔ بقلم خود